ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

سیّد مبارک شاہ کی شاعری میں انسان اور خدا: ایک مکالماتی بیانیہ

The human-God relationship in Syed Mubarak Shah's Poetry: A Dialogic Narrative

Jowaria
(Lecturer in Urdu,GGDC Garhi Kapura, Mardan).
Anmol
(Lecturer in Urdu,GGDC Katlang ,Mardan)

Abstract:
Syed Mubarak Shah is a distinguished and uniqe voice in Urdu literature. The realationship between God and humanity emerges as a central and recurring theme in his poetry. Although the tradition of dialogue between God and humanity has long existed in urdu literature, Syed Mubarak Shah has reinterpreted this tradition through intellectual, philosophical, existential and protest dimensions .In his poetry humans are not portrayed as merely obedient and silent creatures;rather they appear as conscious, inquistivie and questioning beings who engage in dialogue with God concerning their existential significance, collective suffering and universal realities.This article examines Syed Mubarak Shah's poems and ghazals from the perspective of a dialogic narrative.The study reveals that the realtionship between God and humanity in his poetic discoure extend beyond devotion and supplication,encompassing inquiry,quest,protest,love and philosophical reflection in divers forms.The article argues that Syed Mubarak Shah has transformed the human God dialogue into a distinctive intellectual and aesthetic experience in contemporary Urdu poetry.
Keywords*: Syed Mubarak Shah, Poetry, Human-God relationship,Dialogic Narrative.*

انسان جب اپنے گرد وپیش کے دگرگوں حالات، دکھ درد، ذاتی تنہائی، اور زندگی کی بے معنویت کے احساس سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے ذہن کے پردے پر لاتعداد سوالات مچلنے لگتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب یہی سوالات زمینی سطح سے بلند ہو کر آسمان کا رخ کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ انمول لمحہ ہوتا ہے جب خدا محض عقائد تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ مخاطب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خدا سے مخاطبت اور اس کے بارے میں تفکر عرصہ قدیم سے عالمی ادب عالیہ کا حصہ رہا ہے۔ قدیم کلاسیکی شاعری سے لے کر جدید اور مابعد جدید شاعری تک یہ رجحان موجود رہا ہے۔ مولانا رومی، میر درد، میر تقی میر، اسد اللہ خان غالب اور اقبال جیسے یگانہ روزگار شعرا نے خدا اور انسان کے تعلق، خدا کی جستجو اور قربت کی خواہش کا شعری اظہار کیا ہے۔ جدید اور مابعد جدید رجحانات سے متاثر سید مبارک شاہ اسی سلسلے میں ہم عصر ادیبوں سے آگے نظر آتے ہیں۔ سلطان ناصر کے بقول:

"سید مبارک شاہ کی شاعری کا مرکزی موضوع خدا اور انسان کا تعلق ہے۔"[1]

خدا سے مکالماتی ربط کو مبارک شاہ نے اپنے منفرد شعری تجربات سے گہری معنویت عطا کی ہے۔ انہوں نے خدا اور انسان کے تعلق کو تاریخ کے تناظر اور گہرے فلسفیانہ فکر کی روشنی میں دیکھا ہے۔ سید مبارک شاہ ایک بے باک اور جری شاعر ہیں جن کے ہاں انسان تمام تر تنہائیوں، الجھنوں، حسرتوں اور لاحاصل آرزوؤں کے ساتھ خدا کے حضور کھڑا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ کھڑا ہونا عام عمل نہیں بلکہ خاموش تماشائی کے برعکس ایک متحرک سوال کی صورت خدا کے سامنے آتا ہے۔ نظم "بنام خدا" کے وسیع مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں انسان اور خدا کا تعلق عقیدت سے بڑھ کر مکالماتی تجربے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس نظم میں انسان نہایت جرات مندانہ انداز میں فانی زندگی کے تجربات، وقت کے جبر و قہر اور وجودی کرب کو بیان کرتا ہے۔ اگرچہ نظم میں خدا کی طرف سے کوئی صریح جواب موجود نہیں، مگر سوالیہ اور تخاطبی اسلوب ایسی مکالماتی فضا تشکیل دیتا ہے جس میں انسان اپنی داخلی کشمکش اور وجودی سوالات خدا کے حضور پیش کرتا ہے کہ کیا خدا بھی ایسے تجربات سے گزرتا ہے؟ پھر خود اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خالقِ حقیقی زماں و مکاں کی حدود سے ماورا ہے۔ یہ اشعار اس کی مثال ہیں:

کبھی تیرے دل پہ گزریں
اگر ایسی واردا تیں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مگر ایسی وارداتیں
ترے دل پہ کیسے گزریں
کہ تو وقت کے تصور سے ہی آشنا نہیں ہے۲

زیر بحث نظم میں شاعر نے مکالماتی انداز اپناتے ہوئے خدائے لم یزل کے سامنے اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا ہے، تاہم اس اعتراف کے دوران ہی خدا کی تنہائی کو بھی بطور المیہ پیش کیا گیا ہے:

اے خدائے زندگانی!
تو ازل ازل کا تنہا
مرے سانحے سے شاید
ترا المیہ بڑا ہے
ترا درد لادوا ہے
تو خدا ہے، لافنا ہے ۳

ان مصرعوں میں شاعر خدا کی ابدیت اور انسان کی فانی حیثیت کے فرق کو نمایاں کرتا ہے اور یہ تاثر ابھرتا ہے کہ انسانی تجربات کی نوعیت خدا کی ماورائی ہستی سے مختلف ہے۔

انسان اور خدا کے مکالمے کی روایت اردو ادب میں مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے۔ کچھ تخلیق کاروں نے شکوے کا انداز اپنایا ہے، تو کچھ نے دعا اور مناجات کے پیرائے میں اپنے رب سے گفتگو کی ہے، جبکہ کچھ لکھاریوں نے مذہبی اور مابعد الطبیعیاتی تصورات کو مد نظر رکھ کر خدا سے سوال و جواب کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ مبارک شاہ کا کمال یہ ہے کہ ان کے کلام میں خدا اور انسان کے درمیان مکالمہ محض دعا اور مناجات کی روایت تک محدود نہیں بلکہ وہ اس مکالماتی ربط کو فکری جستجو اور تعبیرِ نو کا وسیلہ بھی بناتے ہیں۔ نظم "الا ابلیس" اسی نوع کے مکالمے کی خوبصورت مثال ہے جس میں انسان نے ابلیس کے روایتی تصور کو نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے۔ انسان ابلیس کو محض شر اور گمراہی کا نمائندہ تصور نہیں کرتا بلکہ اس کے کردار کے ان پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے جن سے عام طور پر لوگ صرفِ نظر کرتے ہیں۔ شاعر ابلیس کے کردار کو ایسی تعبیر میں پیش کرتا ہے جس میں اس کے انکارِ سجدہ کو توحید کے ایک مخصوص تصور سے جوڑا گیا ہے:

جس نے مٹی کے بت کو نہ سجدہ کیا
روزِ اول سے جو منکرِ شرک تھا
جز ترے جس کی نظروں میں کوئی اور نہ موجود تھا
تیرا مردود تھا؟ ۴

انسان یہ سوال اٹھاتا ہے کہ ابلیس کے انکارِ سجدہ کو کس زاویۂ نظر سے دیکھا جائے اور اسی سوال کے ذریعے روایتی تعبیرات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے:

کس کے پیشِ نظر تیری تقدیس تھی
کس قدر وسعتِ ظرف ابلیس تھی
سینہ آدمی کا ہر اک وسوسہ
جس سے منسوب ہے
تیرا معتوب ہے؟
ہے تو ہو گا مگر، منصفِ دو جہاں!
اس کے دل کی خلش کس کے سر جائے گی
جس نے ہر حال میں تیری لوحِ ازل کا بھرم رکھ لیا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

جس نے تیرے لیے بے طلب راستوں پر قدم رکھ لیا ۵

ان مصرعوں سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ابلیس کو محض باغی نہیں بلکہ ایک المیہ کردار کے طور پر بھی دیکھا گیا ہے۔ جب شاعر خدا کو "منصفِ دو جہاں" کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو اس وقت مکالماتی آہنگ مزید گہرا ہو جاتا ہے۔ دراصل اس نظم میں انسان خدا سے ہم کلام ہو کر کائناتی اور مذہبی حقائق کی تفہیم کی کوشش کرتا ہے۔

مبارک شاہ کے کلام میں انسان کا خدا سے مکالمہ سطحی اور سرسری نہیں بلکہ ہر مکالمہ فلسفیانہ پس منظر رکھتا ہے، جس کی تہہ میں گہرا مفہوم چھپا ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے مکالمے زیادہ تر یک طرفہ ہیں، تاہم نظم ایک "ناگفتہ مکالمہ" اس حوالے سے نہایت معنی خیز ہے کیونکہ یہ دو طرفہ ہے۔ نظم کے پہلے حصے میں خدائے برتر و اعلیٰ انسان کو اس کی تخلیق کے پس منظر میں کار فرما بے تحاشا محبت، اس کی عظمت اور اس کے وجود کی معنویت کا احساس دلاتا ہے:

تمہاری خاک ہم نے اپنی تنہائی کے اشکوں سے
نمیدہ کر کے گوندھی ہے
یہ مٹی چاک پر رکھی تو پتھر ہو گئی گردش
تب اک بے تاب عالم میں
وفورِ شوق سے عاجز
ہم اس کے گرد گھومے ہیں
اور اپنے لمسِ آبرو سے اسے پیکر میں ڈھالا ہے
پھر اس قالب کا دم بھرتے ہوئے اس میں
بس اپنا ہی تنفس پھونک ڈالا ہے ۶

مکالماتی سطح پر اس نظم کا ابتدائی حصہ خدا کی جانب سے انسان کو دیا گیا ایک خاموش مگر محبت بھرا پیغام ہے جس میں انسان کے وجود کی تقدیس کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ نظم اس تاثر کو ابھارتی ہے کہ انسان کی تخلیق کو ایسی مرکزیت حاصل ہے جس کے مقابل ابلیس کی طویل عبادت بھی ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ جام حفیظ لاڑ خدا اور انسان کے تعلق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"مبارک شاہ کی نظر میں انسان خدا کی ایک لازمی مخلوق ہے۔ انسان کا خدا سے نہ
صرف عبد اور معبود کا تعلق ہے بلکہ اس میں محبت کا عنصر زیادہ نمایاں پایا جاتا ہے۔ ۷"

"ایک ناگفتہ مکالمہ" کا پہلا حصہ انسان کو اس کی تخلیق، معنویت اور وجودی مرکزیت کا احساس دلاتا ہے، جبکہ دوسرے حصے میں انسان خدا کی بات کو رد نہیں کرتا، ان کے بے شمار احسانات کا انکار نہیں کرتا بلکہ اسے از سرِ نو معنیاتی تنقید سے گزارتا ہے۔ اس مکالمے میں انسان اطاعت کے روایتی تصور پر تنقید کرتے ہوئے خود مختاری اور آزادی کو بنیاد بناتا ہے۔ نظم کے دوسرے حصے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ انسان خدا کی محبت کو مانتا ہے لیکن اطاعت کی جبری توقع اس محبت کی نفی بن جاتی ہے:

چلو ہم مان لیتے ہیں
ہمیں تم نے بڑے ارمان سے سوچا تھا
محبت سے بنایا تھا
ہماری جستجو میں تم نے اپنے قربِ جو کا دل دکھایا تھا
مگر اتنی محبت تھی
تو ہم سے یوں اطاعت کی توقع کس لیے رکھی۔۔۔۔۔
ہماری خاک میں تم نے
اگر اپنا تنفس پھونک ڈالا تھا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تو ہم پر بارِ احسان کیا
تم اپنی خود نمائی کو محبت کہہ گئے لیکن
ہماری بے ثباتی سے تم اپنی جاودانی کو
ممیز کر نہیں سکتے ۸؎

چنانچہ یہ نظم نہ تو مکمل تسلیم ہے نہ مکمل انکار، بلکہ اس میں انسان اطاعت گزار بندے سے نکل کر متلاشی اور سوالی بن کر سامنے آتا ہے۔ زیر نظم کو دیکھ کر کاشف کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ:

"سید مبارک شاہ خدا سے برابری کی سطح پر بات کرتے ہیں"۔ ۹؎

تاہم اس تعبیر سے مراد ہر گز الوہیت کے مقابل انسانی برابری کا دعویٰ نہیں بلکہ مکالمے میں موجود فکری خود اعتمادی، سوال آفرینی، بے باکی اور تخاطب کی وہ جرات ہے جو اردو شاعری میں اقبال کی روایت سے وابستہ نظر آتی ہے۔

سید مبارک شاہ کے ہاں بعض مکالموں کی صورت احتجاجی، استفساری اور فکری ہے۔ معاصر انسان کی تباہ کاریوں، جنگی المیوں اور انسانی بستیوں کی تباہیوں کو قادر مطلق کے حضور پیش کرتے ہوئے ان کا انداز استفساری اور احتجاجی ہو جاتا ہے۔ نظم "الم ترکیف" اس کی بہترین مثال ہے۔ اس نظم میں انسان کا خدا سے گہرا، جذباتی اور مضبوط رشتہ سامنے آتا ہے۔ انسان اگرچہ مظلوم کردار ہے مگر خدا سے انصاف، رحم اور خراب حالات میں مداخلت کی توقع رکھتا ہے۔ نظم میں واقعہ فیل کا ذکر کر کے شاعر نے اپنے باطنی اضطراب کو لفظی جامہ پہنایا ہے۔ شاعر خدائے دوجہاں سے سوال کرتا ہے کہ جب اپنے گھر کو بچانے کے لیے ابابیل بھیج سکتے ہو تو موجودہ دنیا کے انسانوں کو ظلم و بربریت سے بچانے کے لیے مدد کیوں نہیں بھیجتے؟ شاعر نے اس نظم میں اجتماعی انسانی کرب کو بیان کر کے ایسی مکالماتی فضا قائم کی ہے جس میں عقیدت کے ساتھ ساتھ استفسار، التجا، احتجاج اور امید کے عناصر موجود ہیں۔

اور اے لامکانوں کے تنہا مکیں!
تیرے گھر کو گرانے جو آیا کوئی
تو پرندے پیام اجل بن گئے
اور مرے دیس میں
جتنے آباد تھے وہ مکاں جل گئے
اور پرندوں کے آشیاں جل گئے
ابرہہ اور اس کے سبھی لشکر
تیرے در سے جو ناکام لوٹے تو کیا
میرے شہروں پہ یوں آ کے وارد ہوئے
ہم زمیں زاد لوگوں کے گھر لٹ گئے
آشیاں گر پڑے اور شجر کٹ گئے
رب کعبہ!
تجھے تیرے گھر کی قسم
جو سلامت رہا اور سلامت رہے
تا قیامت رہے
میرے برباد شہروں کی فریاد سن
ابرہہ کا جہاں لشکر فیل ہے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
Vol.9. No.2.2026

ہم کو پھر انتظار ابابیل ہے۔١٠

اسی نوعیت کی ایک اور نظم "ابابیلیں مقید ہیں" ہے۔ نظم "الم ترکیف "میں انسان خدا سے نصرت کا مطالبہ کرتا ہے تو "ابابیلیں مقید ہیں" میں وہ اس نصرت کی عدم موجودگی پر مایوسی اور تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ "ابابیلیں مقید ہیں" میں انسان کے اجتماعی دکھ پر خدا سے شکوہ کیا گیا ہے۔ماضی میں جب جابر قوتیں حدود پار کر جاتی تو ان کا سر کچلنے کے لیے نصرت خداوندی آ پہنچتی۔ معاصر دنیا میں جابر قوتیں نئے روپ کے ساتھ پہلے سے زیادہ منظم و مستحکم ہو کر مظلوم انسانوں پر مظالم ڈھا رہی ہیں مگر خدائی نصرت کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

خداوند!
ترے گھر کا وہ دشمن ابرہہ نامی
جسے تیری ابابیلوں کے لشکر نے
بہت پہلے خس وخاشاک کر ڈالا تھا، زندہ ہے
اور اپنے لشکر کے ساتھ زندہ ہے
وہ اب تیری ابابیلوں سے اونچا ہے
بہت پرواز کرتا ہے۔۔۔۔
خداوند!
یہ اجڑے لوگ اب بھی آسماں کی وسعتوں میں
ان پرندوں کو صدا دیتے ہیں
جو ان کے بلانے پر نہ آئیں گے
کہ لاہوتی پرندے تک
اسی سے رزق لیتے ہیں
اسی کا ذکر کرتے ہیں
اسی کا نام لیتے ہیں ١١

اس نظم میں ابرہہ استبدادی اور جابرانہ قوتوں کا استعارہ ہے جب کہ ابابیل نصرت الٰہی اور عدل کی علامت ہے۔ نظم میں خدا سے مسلسل اور براہ راست خطاب نے ایک مؤثر مکالماتی فضا بنائی ہے۔ جس میں انسان سیاسی جبر، اجتماعی انسانی کرب اور تہذیبی شکست وریخت کا مقدمہ خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ "ابابیلیں مقید ہیں "عنوان بذات خود خیر کی قوتوں کی بے عملی اور حق وسچ کی مغلوبی نیز مظلوموں کی مایوسی کا استعارہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے جب بھی ظلم کو تقدس اور طاقت کو حق کا درجہ دیا جاتا ہے تب انسان ظلم کے خلاف مزاحمت کی علامت بن کر خدا کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے پہنچ جاتا ہے۔ سلطان ناصر، مبارک شاہ کے کلام میں تراشے گئے انسان کی جرات کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

> "انسان خدا سے مخاطب ہو تو اس کے آداب کیا ہونے چاہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہمیں اپنی نوع کی عمر اور انسانی لسانیات کی حدود و قیود اس لیے سامنے رکھنی پڑیں گی کہ مخاطب وقت اور حدود سے ماورا ہے۔ ہم اپنی محض چند ہزار سالہ تاریخ معاشرت کے آداب پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں؟ البتہ لامکانی سے گفتگو کے لیے لامکان دل سے استفادہ مفید ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں باخدا دیوانہ باش و محمد ہوشیار۔ سید مبارک شاہ جس بے باکی، وارفتگی اور شدت جذبات سے شاعری میں خدا سے مخاطب ہوتے ہیں اس کی مثال حسین بن منصور حلاج، بلھے شاہ اور علامہ اقبال

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کے ہاں تلاش کی جاسکتی ہے۔۔۔۔سید مبارک شاہ کے اس رویے کو اگر کلام اقبال
کے تناظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جی کا تخاطب "شکوہ-جواب شکوہ"
سے اس بناپر مختلف ہے کہ وہاں انسان جواب پالیتا ہے مگر یہاں بات سوالیہ نشان پر
ختم ہو جاتی ہے۔۱۲"

سلطان ناصر کی رائے سے واضح ہوتا ہے کہ مبارک شاہ کے ہاں خدا سے تخاطب روایتی عقیدت کی حدود سے نکل کر ایک جری اور فکری مکالمے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ نظم "مقدمہ" براہ راست خطاب پر مبنی احتجاجی مکالمہ کی مثال ہے۔ جس میں انسان بے حسی کی انتہا پر پہنچ چکا ہے۔ ظلم، خونریزی اور تباہی و بربادی کو دیکھ کر اس کا ضمیر جاگتا ہے نہ ہی ندامت کا احساس جاگتا ہے۔

اور اس کا ایک دھبہ بھی ہماری آستینوں پر نہیں
دل فشار شدت خواہش سے مثل ذرہ آتش فشاں پھٹنے لگے
اور پھر بھی کوئی لرزش کوئی لاوا اپنے سینوں پر نہیں
ذہن پگھلے جارہے ہیں انجماد فکر سے
پر ایک بھی قطرہ ندامت کا جبینوں پر نہیں ۱۳

یہ مصرعے انسانی بے حسی کی انتہا کی عکاسی کرتے ہیں اور شاعر اسی اجتماعی اخلاقی زوال کو خدا کے حضور استفسارانہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ نظم میں "خدائے منتقم" جیسا خطاب اس بات کا غماز ہے کہ مکالمہ دعا یا مناجات کی سطح سے آگے بڑھ کر عدل و انصاف، سوال و اخلاقیات تک پہنچ چکا ہے۔ درحقیقت اس نظم میں ایک طرف انسان اپنی بے حسی کا جواز پیش کرتا ہے اور خدا کو انصاف کے نفاذ کا آخری حوالہ قرار دیتا ہے۔

اے عقوبت میں خود اپنی شدتوں کے دعوے دار!
اے خدائے منتقم!
انصاف کرتا ہے تو ہم سے لے ہمارا انتقام
ورنہ ایسا ہے کہ جیسے
آسمانوں سے اتر آیا ہے تو، لیکن زمینوں پر نہیں ۱۴

مبارک شاہ کے کلام کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں انسان نے خدا سے اس کے وجود، ماہیت اور ادراک کے بارے میں بھی سوالات کیے ہیں۔ ان کے کلام میں وجودی، فلسفیانہ اور سوالی مکالمہ بھی نظر آتا ہے۔ نظم "کوہ ندا" جدید انسان کے فکری بحران کا اظہار ہے۔ اس نظم میں مکالمہ احتجاجی یا استدعائی نہیں بلکہ وجودی اور فلسفیانہ نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ نظم میں انسان کے نزدیک خدا کا وجود ایمان، شک اور تصور کے درمیان ایک متنازع سوال ہے۔ ایک طرف ان انسانوں کا ذکر ہے جو خدا کی تلاش میں اپنی ذات گم کر بیٹھے ہیں دوسری طرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو مندر، کلیسا اور کعبے جیسے مذہبی تصورات کے ذریعے خدا کو محسوس کرتے ہیں۔ یوں خدا لامحدود حقیقت اور تصوراتی جمال کے درمیان معلق ذات دکھائی دیتا ہے۔ نظم کے آخری مصرعے مکالمے کو ایک فلسفیانہ موڑ دیتا ہے

جو خود اپنے نشاں سے اجنبی ٹھہرے
وہ میری بے نشانی کو کہاں پہچان سکتے ہیں ۱۵

اس مکالمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سوالات تو ہیں مگر جواب ندارد، یہی اس کی مکالماتی اور فلسفیانہ قوت ہے۔ شعری مجموعہ "مدار نارسائی میں" میں سید مبارک شاہ کی نظم "بنام خدا" میں انسان اور خدا کے درمیان مناجاتیں اور استدعائی مکالمہ نظر آتا ہے۔ اس میں انسان نے سوال بھی کیا ہے، شکوہ بھی اور دعا بھی۔ واضح رہے کہ شعری مجموعہ جنگل گمان میں شامل نظم "بنام خدا" اس سے مختلف ہے اور اپنے موضوعی و فنی تناظر میں الگ حیثیت رکھتی ہے۔

نظم "تھرپارکر" میں مکالمہ اخلاقی احتجاج کی صورت میں نمایاں ہے۔ اس میں انسان خدا سے مخاطب ہو کر اجتماعی عذاب نسلوں کی ہلاکت اور رزق کی غیر منصفانہ تقسیم پر سوالات اٹھاتا ہے۔ خدا کو (عدالت اعلیٰ) مان کر انسان تھرپارکر کے بھوکے پیاسے لوگوں کے مصائب کو سامنے رکھ کر خدا سے انصاف کی توقع رکھتا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

(خدائے عتاب گر) کی ترکیب یہاں خدا کو رحمت و محبت کے تصور کی بجائے عادل ہستی کے طور پر دکھاتا ہے۔اس نظم میں شاعر قحط کی ہولناکی کو قدرتی آفات کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ اسے ظلم تصور کرتا ہے کہ پوری کائنات میں رزق موجود ہے لیکن اس کے باوجود تھرپارکر کے بے چارے انسان اس تک رسائی سے محروم ہیں۔اگرچہ سید مبارک شاہ کے ہاں انسان اور خدا کا مکالمہ زیادہ تر نظم کی صنف میں اپنی مکمل صورت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، تاہم ان کی غزلیہ شاعری بھی اس رویے سے خالی نہیں۔ بعض اشعار میں انسان سوالی، متجسس اور قربِ الٰہی کا خواہاں بن کر خدا سے مخاطب ہوتا ہے۔مثال کے طور پر

آسودگی عمر رواں کیوں نہیں دیتے
جو چیز وہاں دوگے یہاں کیوں نہیں دیتے ۱۶

پتا دوزخ کا بھر جانا
ہمارا یا تمہارا المیہ ہے ۱۷

شہ رگ کو چھوڑ کر میرے سینے سے لگ کبھی
دل میں قیام ساکن حبل الورید کر ۱۸

ان اشعار میں کبھی انسان اخروی آسودگی کے مقابلے میں دنیاوی محرومی پر سوال اٹھاتا ہے، کبھی دوزخ کے تصور کو انسانی المیے سے جوڑتا ہے اور کبھی قربِ الٰہی کی شدید خواہش کا اظہار کرتا ہے۔یوں غزل میں بھی مکالمے کا رویہ مختلف جہات کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خدا سے مکالمہ مبارک شاہ کی شعری کائنات کا ایک مستقل اور ہمہ گیر رویہ ہے جو نظم اور غزل دونوں میں مختلف صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔سید مبارک شاہ کے کلام میں انسان اور خدا کا مکالمہ محض عقیدت یا مناجات تک محدود نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت فکری تجربہ ہے۔ ان کے ہاں انسان کبھی سوالی، کبھی معترض، کبھی متلاشی اور کبھی عاشق کی صورت میں خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔یہی تنوع ان کی شاعری کو روایتی مذہبی اظہار سے الگ کر کے جدید وجودی اور فلسفیانہ مباحث سے جوڑ دیتا ہے۔مبارک شاہ کے ہاں انسان خاموش اور منفعل مخلوق نہیں بلکہ ایک باشعور، سوال کرنے والی اور اپنے وجود کے معنی تلاش کرنے والی ہستی ہے۔اس اعتبار سے مبارک شاہ کی شاعری میں انسان اور خدا کا مکالمہ اردو شاعری کی مکالماتی روایت میں ایک منفرد اور قابلِ توجہ اضافہ ہے۔

حوالہ جات

۱)سلطان ناصر، تیسرے جہان کی تلاش، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۲
)۲ سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۳۸۔
۳)ایضاً، ص ۳۹۔
۴)سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۵۸۔
۵)ایضاً، ص ۱۵۸۔
۶)سید مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۹۶۔
) ۷ جام حفیظ لاڑ، انٹرویو از راقم، واٹس ایپ، بوقت دس بجے رات، بتاریخ ۳۰ ستمبر ۲۰۲۵۔
۸)سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۹۷۔
۹)شاہد بلال، سیّد مبارک شاہ کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۲۰۲۱، ۳۱-۲۰۲۶ء۔
)۱۰ سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۱۸۔
۱۱)ایضاً، ص ۱۲۴۔
(۱۲ سلطان ناصر، تیسرے جہان کی تلاش، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۱۴

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

۱۳)سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۲۲۰۔
۱۴)ایضاً، ص
۱۵))سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۴۴۳۔
۱۶)ایضاً، ص ۲۳۰۔
)۱۷سیّد مبارک شاہ، کلیات سیّد مبارک شاہ، بک کارنر جہلم، پاکستان، اشاعت دوم جون ۲۰۲۱ء، ص ۵۴۸۔
۱۸)ایضاً، ص ۲۱۳۔